کلمہ حق

# حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تین نکاتی احتسابی فارمولا

چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے ایک بار پھر واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ وہ لوٹی ہوئی قومی دولت کی ایک ایک پائی واپس لیں گے اور احتساب مکمل ہونے تک اقتدار سیاست دانوں کے سپرد نہیں کریں گے۔ ان کے اس اعلان پر ملک بھر میں اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے اور عام شہری مسلسل دعاگو ہیں کہ اللہ رب العزت جنرل صاحب کو اپنے اس اعلان پر مکمل عملدر آمد کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین) ہم اس موقع پر جنرل پرویز مشرف صاحب اور ان کے رفقاء کو اسلامی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جس کا ان کے اس ایجنڈے کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور جس میں احتساب کے سلسلہ میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خاندان بنو امیہ کے نامور چشم و چراغ اور خلفاء اسلام میں مثالی کردار کے حامل حکمران شمار ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق تابعین کے طبقہ سے ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے۔ اپنے دور کے ممتاز عالم دین، محدث اور صالح بزرگ تھے، ان کے والد عبد العزیزؒ کئی سال تک مصر کے گورنر رہے اور عمر بن عبد العزیزؒ بھی خلیفہ بننے سے پہلے حجاز کے والی رہے۔ وہ خلیفہ وقت عبد الملک بن مروانؒ کے بھتیجے اور داماد تھے اور شاہی خاندان کے ممتاز ترین افراد میں سے تھے۔ انہیں نامور اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؒ نے اپنا جانشین نامزد کیا اور وہ ان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ھ میں منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کا پایہ تخت دمشق تھا اور وہ اپنے دور میں پوری دنیائے اسلام کے واحد حکمران تھے۔ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب شاہی خاندان نے خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؒ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دمشق کی جامع مسجد میں عوام سے خطاب کیا اور کہا کہ خلیفہ کا انتخاب عوام کا حق ہے اور وہ خود کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے اس لیے عوام کو ان کا حق اختیار و انتخاب واپس کرتے ہیں کہ وہ ان کی بجائے جس شخص کو چاہیں اپنا حکمران منتخب کر لیں مگر عوام نے بیک آواز انہی کے حق میں فیصلہ دیا اور کہا کہ ان کے بغیر اور کوئی خلیفہ انہیں قبول نہیں ہوگا۔ عمر بن عبد العزیزؒ کو خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ بیت المال (قومی خزانہ) کا کم و بیش اسی فیصد حصہ شاہی خاندان اور اس کے منظورؒ نظر افراد کی تحویل میں تھا اور قومی معیشت بدحالی کا شکار تھی۔ اس لیے انہیں بیت المال کی دولت اور اثاثے ناجائز طور پر قابض افراد سے واپس لینا تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ترجیحات میں سب سے پہلا نمبر اسی کو دیا اور خلافت سنبھالتے ہی اس مشن کا آغاز کر دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جو عملی طریق کار اختیار کیا اسے تین حصوں یا نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان تینوں پر انہوں نے بیک وقت عمل در آمد کا آغاز کر دیا۔

سب سے پہلے انہوں نے ذاتی زندگی کو یکسر تبدیل کیا اور شہزادگی کے دور میں وہ سہولت اور تعیش کے جن معاملات کے عادی ہوگئے تھے انہیں ترک کر دیا۔ ان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے دور کے انتہائی خوش پوش افراد میں سے تھے۔ عمدہ ترین لباس پہنتے اور کوئی لباس ایک بار سے زائد ان کے جسم سے نہ لگ پاتا حتیٰ کہ ایک دور میں جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ ان کا ذاتی سامان تیس اونٹوں پر لاد کر دمشق سے مدینہ منورہ جایا کرتا تھا اور ان کے علم اور تقویٰ کے باوجود ان کے معاصرین ان کی اس نفاست پسندی اور خوش پوشی پر تنقید کیا کرتے تھے مگر خلافت سنبھالتے ہی ان کا مزاج بالکل تبدیل ہوگیا۔ خلافت کی عوامی بیعت کے بعد جامع مسجد سے نکلتے ہوئے انہیں شاہی گھوڑوں کا دستہ سواری کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ میری سواری کے لیے خچر کافی ہے۔ انہوں نے اس معاملہ میں اپنی ذات اور اہل خاندان پر اتنی سختی کی کہ ان کے نانا محترم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یاد ایک بار پھر تازہ ہوگئی اور اسی لیے انہیں "عمر ثانی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کی کہ وصولیوں کا سارا وزن انہوں نے بڑے لوگوں پر ڈالا اور اس کا آغاز خود اپنی ذات سے کیا۔ ان کے پاس فدک کا باغ چلا آتا تھا جو بیت المال کی ملکیت تھا وہ انہوں نے سب سے پہلے بیت المال کو واپس کیا۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملکؒ کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کے والد محترم خلیفہ عبد الملک بن مروانؒ نے شادی کے موقع پر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے بیت المال کی ملکیت قرار دے کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد خاندان خلافت کا اجلاس طلب کیا اور انہیں کہا کہ انہیں بعض سابق خلفاء کی طرف سے جو جاگیریں او عطیات دیے گئے تھے وہ بیت المال کی ملکیت تھے اور ان پر ان کا کوئی حق نہیں ہے اس لیے وہ انہیں واپس کر دیں۔ خاندان کے سرکردہ حضرات نے اس پر احتجاج کی اور سب سے زیادہ ہشام بن عبد الملکؒ نے اس پر زور دیا کہ انہیں ماضی کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے وہ اپنے دور

خلافت کے مسائل نمٹائیں اور سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ چھیڑیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے دو باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ ہشام بن عبد الملکؒ سے پوچھا کہ اگر ان کے پاس دو دستاویزات ہوں' ایک ان کے والد محترم عبد الملک بن مروانؒ کی طرف سے ہو اور دوسری خلافت بنو امیہ کے بانی حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہو تو وہ کس دستاویز کو ترجیح دیں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی دستاویز کو ترجیح دیں گے اس لیے کہ وہ پہلے کی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہ ان کے پاس اس سے بھی پہلے کی دستاویز موجود ہے جو اللہ کی کتاب ہے اس لیے وہ اس پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد میں سے ایک یا دو طاقت ور افراد ساری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی ورثاء کو محروم کر دیں اور کسی وقت آپ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ آپ ان کے درمیان انصاف کر سکتے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ میں قبضہ کرنے والوں سے جائیداد واپس لے کر سب ورثاء میں اصول کے مطابق تقسیم کر دوں گا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کچھ کرنے لگا ہوں۔ چنانچہ خلافت کے خاندان کو ان کے بے لچک رویہ کے آگے سپر انداز ہونا پڑا اور بیت المال کی ساری دولت اور اثاثے دو ہفتے کے اندر قومی خزانے میں واپس آگئے۔

تیسرا معاملہ حضرت عبد العزیزؒ نے یہ کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اختیار کیا اور سابقہ حکمرانوں کی طرف سے کیے جانے والے بہت سے سخت اقدامات انہوں نے واپس لے لیے۔ متعدد ٹیکس منسوخ کر دیے۔ عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کا طریق کار آسان کر دیا۔ بالخصوص غیر مسلموں پر کی جانے والی زیادتیوں کا نوٹس لیا اور انہیں بہت سی سہولتیں فراہم کیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے حصہ کے واجبات خوشی سے ادا کرنے لگے اور بیت المال کی معاشی حالت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خود ایک بار فرمایا کہ عراق کے صوبہ میں لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی میں حجاج بن یوسفؒ کے دور میں بہت سختی ہوتی تھی اور متعدد ناجائز ٹیکس بھی لگائے گئے تھے اس کے باوجود عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم کبھی دو کروڑ اسی لاکھ درہم سے زیادہ نہیں بڑھی مگر میں نے وصولی کا نظام آسان کر دیا ہے اور بہت سے ٹیکس ختم کر دیے ہیں جس کی برکت سے میرے دور میں عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم سالانہ بارہ کروڑ درہم تک پہنچ گئی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے صرف اڑھائی سال حکومت کی مگر ان کے اقدامات اور طریق کار کی برکت سے اتنے مختصر عرصہ میں نہ صرف بیت المال مستحکم ہوا اور اس کے اثاثے اس کو واپس ملنے کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی میں بے تحاشا اضافہ ہوا بلکہ عام لوگوں تک خوشحالی کے اثرات پہنچے اور تاریخ کی روایات بتاتی ہیں کہ اس دور میں زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنی زکوٰۃ کی رقم لے کر بازاروں میں گھومتے اور آوازیں دیتے تھے کہ کوئی مستحق ہو تو ان سے زکوٰۃ وصول کرے تا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں مگر سوسائٹی میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ملتا تھا۔

اس لیے ہم جنرل پرویز مشرف اور ان کے رفقاء سے گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ احتساب کے سلسلہ میں اپنے عزم اور اعلان کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس تین نکاتی فارمولا کو اپنائیں اور اس درویش صفت خلیفہ کے حالات زندگی کا بار بار مطالعہ کر کے اس کی پیروی کریں۔ ان شاء اللہ وہ بہت جلد اپنے ہدف کو پالیں گے اور پاکستانی قوم حقیقی خوشحالی کے دور میں قدم رکھ سکے گی۔

## دینی مدارس کا مقصد قیام اور معاشی کردار

ان دنوں دینی مدارس میں تعلیمی سال کا اختتام ہے' اس مناسبت سے ملک کے مختلف حصوں میں سالانہ امتحانات کے علاوہ ختم بخاری شریف کی تقریبات اور سالانہ جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور چونکہ کچھ عرصہ سے یہ دینی مدارس عالمی میڈیا کی طرف سے کردار کشی کی مہم کا ایک بڑا ہدف ہیں اس لیے ان مجالس میں دینی مدارس کے قیام کے اسباب اور معاشرہ میں ان کے کردار کے حوالہ سے بھی گفتگو ہوتی ہے۔ راقم الحروف کو گزشتہ دنوں جامعہ علوم اسلامیہ میرپور آزاد کشمیر' جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر' جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو' جامعہ علوم شرعیہ بیکری چوک ویسٹرج راولپنڈی اور جامعہ محمدیہ چانچہ چوک اسلام آباد میں اس نوعیت کی مجالس میں شرکت اور گفتگو کا موقع ملا اور دینی مدارس کے مقصد قیام اور ان کے کردار پر کچھ گزارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں سے دو تاریخی واقعات قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی مدارس کا یہ آزادانہ نظام قائم کرنے والے اکابر کے ذہنوں میں مقاصد اور ترجیحات کی ترتیب کیا تھی اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ دینی مدارس ان پر کہاں تک پورے اترتے ہیں؟

جس زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے والد محترم مولانا حافظ محمد احمدؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ صدر مدرس تھے' حافظ صاحبؒ کو اس وقت کی امیر ترین مسلم ریاست حیدر آباد کے نواب نے دعوت دی اور حیدر آباد کے دورے کے موقع پر ان سے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے چند فضلاء کو انہوں نے بعض ریاستی محکموں میں ملازم رکھا ہے اور وہ اہلیت اور کارکردگی دونوں میں دوسرے سرکاری ملازمین سے بہتر ثابت ہوئے ہیں اس لیے ان کی خواہش ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے ہر سال جتنے علما فارغ ہوں وہ ان کے پاس بھیج دیے جائیں وہ اس کے عوض دارالعلوم کے سالانہ اخراجات ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ البتہ سرکاری ملازمت کی ضرورت کے مطابق دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں